رسائل و مسائل

مغربی نیشنلزم اور فرنگی لباس

(۳)

(ابسلسلۂ اشاعت رجب ۵۸ھ)

نیشنلزم ہندوستان میں پچھلے صفحات میں یہ بات اصولی حیثیت سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اجتماعیات میں نیشنلزم کا نقطۂ نظر اسلام کے نقطۂ نظر سے کلی طور پر متناقض ہے۔ لہٰذا مسلمان اگر اس شخص کا نام ہے جو زندگی کے ہر معاملہ میں اسلامی نقطۂ نظر رکھتا ہو، اور اگر اس کے سوا لفظ مسلمان کا کوئی دوسرا مفہوم نہیں ہے، تو یہ بات آپ سے آپ لازم ہو جاتی ہے کہ مسلمان جہاں اور جس حال میں بھی ہو، اسے نیشنلزم کی مخالفت کرنی چاہیے۔ یہ اصول طے ہو جانے کے بعد درحقیقت اس سوال میں کوئی خاص اہمیت باقی نہیں رہتی کہ کسی خاص ملک کی تحریکِ قوم پرستی کے بارے میں مسلمان کا رویہ کیا ہو۔ لیکن جب ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں نیشنلزم کو فروغ دینا چاہیے، اور یہ کہ اسی چیز کے فروغ پانے پر اس ملک کی نجات منحصر ہے، تو ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مخصوص طور پر ہندوستان کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ دیکھیں کہ یہاں نیشنلزم کے فروغ پانے کا نتیجہ کیا ہے یا کیا ہو سکتا ہے اور یہ کہ آیا فی الواقع ہندوستان کی نجات اسی طریقہ میں ہے؟

کسی ملک میں نیشنلزم پیدا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں پہلے سے ایک قومیت موجود ہو، یا اگر وہ پہلے سے موجود نہیں ہے تو اب وجود میں آئے۔ کیونکہ جہاں قومیت ہی سرے سے موجود

نہ ہو وہاں قوم پرستی کسی طرح پیدا نہیں ہوسکتی۔ قوم پرستی تو قومیت کے اشتعال ہی کا دوسرا نام ہے۔ جب شعلہ ہی موجود نہ ہوگا تو اشتعال کیسے ہوگا؟

اب دیکھنا چاہیے کہ قوم پرستی کا شعلہ بھڑکنے کے لیے کس قسم کی قومیت درکار ہے۔

قومیت کی ایک قسم وہ ہے جسے سیاسی قومیت (Political nationality) کہتے ہیں، یعنی جو لوگ ایک سیاسی نظام سے وابستہ ہوں وہ محض اس وحدت سیاسی کے لحاظ سے ایک قوم سمجھے جاتے ہیں۔ اس نوع کی قومیت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جو لوگ اس میں شریک ہوں اُن کے جذبات وحسیات، ان کے خیالات ونظریات، اُن کے اخلاقی خصائص، اُن کی روایات، اُن کی زبان اور لٹریچر اور اُن کے طرزِ زندگی میں کسی قسم کی یکسانی پائی جائے۔ اِن تمام حیثیات سے بالکل مختلف ہونے کے باوجود اُن کی ایک سیاسی قومیت ہوتی ہے اور اُس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ وہ ایک سیاسی نظام سے وابستہ رہیں۔ اگر ان کے مختلف گروہ آپس میں مختلف ہی نہیں بلکہ مخالف بھی ہوں حتیٰ کہ اگر اُن کے مقاصد اور قومی حوصلے باہم متضاد ہوں اور وہ ایک دوسرے کے خلاف عملاً جدوجہد کر رہے ہوں، تب بھی ان کی سیاسی قومیت ایک ہی رہتی ہے ــــ قومیت کا لفظ ایسی وحدت کے لیے بولا ضرور جاتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ وہ قومیت نہیں ہے جس کی بنیاد پر کہیں قوم پرستی پیدا ہوسکتی ہو۔

دوسری قسم کی قومیت وہ ہے جسے تہذیبی قومیت (Cultural nationality) کہا جاتا ہے۔ یہ قومیت صرف ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جن کا مذہب ایک ہو، جن کے خیالات ونظریات اور جذبات وحسیات یکساں ہوں، جن میں ایک ہی طرح کے اخلاقی اوصاف پائے جاتے ہوں، جو زندگی کے تمام اہم معاملات میں ایک مشترک زاویۂ نگاہ رکھتے ہوں اور اُسی زاویۂ نگاہ کے اثر سے اُن کی زندگی کے تہذیبی وتمدنی مظاہر میں بھی یک رنگی پیدا ہوگئی ہو، جو پسندیدگی وناپسندیدگی

اور حرمت و حلت اور تقدیس و استکراہ کے مشترک معیار رکھتے ہوں، جو ایک دوسرے کے احساسات کو سمجھتے ہوں، اور ایک دوسرے کی عادات و خصائل اور دلچسپیوں سے مانوس ہوں جن میں آپس کے شادی بیاہ اور مشترک معاشرت کی وجہ سے خونی اور قلبی رشتے پیدا ہو گئے ہوں، جنہیں ایک ہی قسم کی تاریخی روایات حرکت میں لا سکتی ہوں، مختصر یہ کہ جو ذہنی، روحانی، اخلاقی اور تمدنی و معاشرتی حیثیت سے ایک گروہ، ایک جماعت، ایک وحدت بن گئے ہوں — قوم پرستی اگر پیدا ہو سکتی ہے تو صرف اسی قومیت کی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں میں یہ قومیت پائی جاتی ہے صرف انہی کے درمیان ایک مشترک نیشنل ٹائپ اور ایک مشترک نیشنل آئیڈیا کا نشو و نما ہوتا ہے۔ اسی نیشنل ٹائپ کے عشق اور نیشنل آئیڈیا کے استحکام سے نیشنلزم کا آغاز ہوتا ہے۔ یہی چیز آگے بڑھ کر وہ قومی خودی (National self) پیدا کر دیتی ہے جس میں فرد اپنی انفرادی خودی کو جذب کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ پھر جب قومی خودی کے ارتقاء میں کوئی واقعی یا خیالی چیز مانع ہوتی ہے، تو اس کو دفع کرنے کے لیے وہ جذبہ مشتعل ہوتا ہے جس کا نام نیشنلزم ہے۔

اس تجزیہ کو سامنے رکھ کر ہندوستان کے حالات پر نظر ڈالیے۔ کیا فی الواقع یہاں نیشنلزم کی اساس موجود ہے؟ بلاشبہ سیاسی قومیت یہاں ضرور پائی جاتی ہے، کیونکہ یہاں کے باشندے ایک سیاسی نظام کے تابع ہیں، ایک قسم کے قوانین انکی تمدنی و معاشی زندگی پر حکمراں ہیں، اور ایک فولادی ڈھانچہ ان سب کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ مگر جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں محض سیاسی قومیت، قوم پرستی پیدا کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہ قومیت آسٹریا ہنگری، برطانیہ و آئرلینڈ، سلطنت روس، سلطنت عثمانیہ، چیکوسلواکیا، یوگوسلیویا اور بہت سی دوسری سلطنتوں میں بھی پائی جاتی تھی، اور اب بھی بکثرت ملکوں میں پائی جاتی ہے۔ مگر کہیں بھی اس نے نیشنلزم پیدا نہیں کیا۔ آزادی کے جذبہ میں مشترک ہونا، یا مصائب اور خطرات میں مشترک ہونا

بھی نیشنلزم کی پیدائش کے لیے ناکافی ہے۔ یہ چیز اگر پیدا ہوسکتی ہے تو صرف تہذیبی قومیت ہی سے پیدا ہوسکتی ہے، اور ہر وہ شخص جو آنکھیں رکھتا ہے، اس حقیقت کو دیکھ سکتا ہے کہ ہندوستان کے باشندوں میں تہذیبی قومیت موجود نہیں ہے۔

پھر جب امر واقعی یہ ہے تو یہاں نیشنلزم کا ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جہاں سرے سے ماں ہی موجود نہیں ہے وہاں بچے کا ذکر کرنا ظاہر ہے کہ نادانی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ جو لوگ اس ملک میں نیشنلزم کو فروغ دینے کا خیال ظاہر کرتے ہیں انہیں جاننا چاہیے کہ یہ بچہ تہذیبی قومیت ہی کے بطن سے پیدا ہوسکتا ہے، اور اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کی ماں کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ اس حقیقت کو جب وہ اچھی طرح جان لینگے تو انہیں اپنے دعوے میں ترمیم کرنی پڑیگی۔ قبل اسکے کہ وہ ہندوستان میں نیشنلزم کو فروغ دینے کا نام لیں، انہیں یہ کہنا پڑیگا کہ یہاں ہم ایک تہذیبی قومیت پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہندوستانی نیشنلزم فروغ پاسکے۔

اچھا اب اس سوال پر غور کیجیے کہ یہاں ایک تہذیبی قومیت کس طرح پیدا ہوسکتی ہے اور اس کے امکانی نتائج کیا ہونگے؟

جس ملک میں مختلف تہذیبی قومیتیں پائی جاتی ہوں، وہاں ایک قومیت کی پیدائش دو ہی صورتوں سے ممکن ہے۔

(۱) ایک قوم کی تہذیب باقی سب قوموں کو فتح کرلے۔

(۲) سب کے اختلاط و امتزاج سے ایک مشترک تہذیب پیدا ہوجائے۔

پہلی صورت یہاں خارج از بحث ہے کیونکہ ہندوستانی نیشنلزم کے حامی اس کو اپنا نصب العین نہیں بنا سکتے۔ یہ چیز اگر نصب العین بن سکتی ہے تو ہندو نیشنلزم یا "مسلم نیشنلزم" کے حامیوں کی بن سکتی ہے۔ رہے ہندوستانی نیشنلسٹ تو ان کے درمیان اتفاق صرف دوسری صورت

ہی پر ہو سکتا ہے، چنانچہ ان کے حلقوں میں اکثر اس مسئلہ پر بحث بھی ہوتی ہے کہ اس ملک کی مختلف قوموں کے امتزاج سے کسی طرح ایک قومیت پیدا کی جائے۔ لیکن اس سلسلہ میں وہ ایسی طفلانہ باتیں کرتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو وہ تہذیبی قومیت کی حقیقت کو سمجھتے ہیں، نہ انہیں یہ خبر ہے کہ اس قسم کی قومیتوں کا امتزاج کس طرح کن قوانین کے تحت ہوتا ہے، اور نہ انہوں نے کبھی اس پہلو پر غور کیا ہے کہ ایسے امتزاج سے کس شان کی قومیت بنتی ہے۔ وہ اسے بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں اور بچوں ہی کی طرح اس کھیل کو کھیلنا چاہتے ہیں۔

تہذیبی قومیت دراصل نام ہے ایک قوم کے مزاج عقلی اور نظام اخلاقی کا۔ اور یہ چیز مصنوعی طور پر ایک دو دن میں نہیں بن جاتی، بلکہ صدیوں میں اس کا نشوونما فطری تدریج کے ساتھ ہوتا ہے۔ صدہا برس تک جب کچھ لوگ نسلاً بعد نسلٍ ایک قسم کے عقائد اور رسوم و عادات کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں، تب کہیں جا کر ان میں ایک مشترک روح پیدا ہوتی ہے، مشترک اخلاقی اوصاف مستحکم ہوتے ہیں، ایک مخصوص مزاج عقلی بنتا ہے، وہ روایات جڑ پکڑتی ہیں جن سے ان کے جذبات وحسیات (Sentiments) وابستہ ہوتے ہیں، وہ لٹریچر پیدا ہوتا ہے جو ان کے دل و دماغ کا ترجمان ہوتا ہے، اور وہ ذہنی و روحانی یک رنگی رونما ہوتی ہے جس سے ان میں باہمی اُنس اور تفاہم (Mutual intelligibility) پیدا ہوتا ہے۔ پھر جب اِن گہرے اور مضبوط اثرات کے تحت کسی گروہ کی مستقل قومیت بن جاتی ہے، یا دوسرے الفاظ میں جب اس کا اخلاقی اور عقلی مزاج مستحکم ہو جاتا ہے تو اس کے لیے کسی دوسرے گروہ کے ساتھ خلط ملط ہو کر کسی دوسری قومیت میں تبدیل ہو جانا تقریباً محال ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایسے گروہ سینکڑوں برس تک ایک ہی آب و ہوا اور ایک ہی سرزمین میں پہلو بہ پہلو رہتے ہیں، مگر کسی قسم کا امتزاج واقع نہیں ہوتا۔ یورپ میں جرمن، مگیار، پول، چیک، یہودی، سلافی اور

ایسی ہی دوسری قومیں مدتوں سے ایک جگہ زندگی بسر کر رہی ہیں مگر آج تک ان کے درمیان امتزاج پیدا نہیں ہوا۔ انگریز اور آئرش صدیوں ایک ساتھ رہے مگر کسی طرح مل کر ایک نہ ہو سکے۔ کہیں کہیں ایسے گروہوں کی زبانیں بھی مشترک ہوتی ہیں، مگر زبان کے اشتراک سے دل و دماغ کا اشتراک رونما نہیں ہوتا۔ الفاظ مشترک ہوتے ہیں، مگر وہ ہر قوم کے دل میں جو جذبات و خیالات پیدا کرتے ہیں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

یک جا بود و باش اور طویل مدت تک باہمی اختلاط سے مختلف تہذیبی گروہوں کا مل کر ایک صحیح قسم کی مکمل اور متحد قومیت پیدا کرنا صرف اس صورت میں ممکن ہے، اور صرف اسی صورت میں وہ اعلیٰ درجہ کے تمدنی نتائج پیدا کر سکتا ہے، جبکہ ایسے گروہوں کے نظام اخلاق اور مزاج عقلی میں کوئی بڑا اور اہم تفاوت نہ ہو، بلکہ وہ بڑی حد تک متشابہ الاخلاق ہوں۔ اس صورت میں انکی الگ الگ اخلاقی خصوصیات اور انکے جداگانہ قومی تشخصات مٹ جاتے ہیں اور ایک متحد نظام اخلاق بن جاتا ہے۔ مگر یہ عمل بھی اس طرح نہیں ہوتا جیسے ہتیلی پر سرسوں جمائی جائے، بلکہ مدتہائے دراز تک کسر و انکسار ہوتا رہتا ہے تب کہیں مختلف اجزا ء ہیں گھل مل کر ایک مزاج پیدا ہوتا ہے۔ انگلستان میں برائٹن، سیکسن اور نارمنڈی قوموں نے ایک قوم بنتے بنتے سینکڑوں برس لیے ہیں۔ فرانس میں دس صدیوں سے یہ عمل جاری ہے اور اب تک قومیت کا خمیر پوری طرح تیار نہیں ہو سکا ہے۔ اٹلی میں اس وقت تک کوئی مشترک قومی روح پیدا نہیں ہو سکی ہے، حالانکہ وہ مختلف عناصر جن سے اطالوی قومیت کی ترکیب ہوئی ہے اخلاقی حیثیت سے باہم کوئی بین تفاوت نہیں رکھتے۔ ممالک متحدہ امریکہ میں ایک قومیت صرف اُن عناصر کے امتزاج سے بن سکی ہے جو بہت کچھ متشابہ الاخلاق تھے اور جن کو مشترک اغراض نے مجبور کر دیا تھا کہ اپنے خفیف سے اختلاف و تفاوت کو جلدی سے دفن کر کے یک جان ہو جائیں۔ تاہم اس عمل نے بھی

پایہ تکمیل کو پہنچتے پہنچتے ڈھائی تین سو برس لیے ہیں۔

متشابہ الاخلاق قوموں کے امتزاج سے ایک صحیح اور عمدہ قسم کی قومیت بننا صرف اس لیے ممکن ہوتا ہے کہ انہیں اس عمل امتزاج کے دوران میں اپنے عقائد و نظریات اور اپنے اخلاقی معیاروں کو طلاق دینے اور اپنے اعلیٰ درجہ کے اخلاقی اوصاف کو جڑ سے اکھاڑنے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ یہ چیزیں انکے درمیان پہلے ہی سے مشترک ہوتی ہیں۔ صرف روایات کے رد و بدل اور جذبات و حسیات اور مقاصد و اغراض کی جدید تنصیب (Readjustment) سے ہی انکی نئی قومیت بن جاتی ہے۔ بخلاف اسکے جہاں مختلف الاخلاق قوموں میں کسی مصنوعی دباؤ، کسی جبلی کوشش اور بعض ادنیٰ درجہ کے محرکات سے امتزاج واقع ہوتا ہے وہاں ایک نہایت ذلیل قسم کی قومیت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ان کے عقائد کی جڑیں ہل جاتی ہیں، ان کے اعلیٰ درجہ کے اخلاقی خصائص (جو ان کے امتیازی اوصاف تھے۔ اور جنکی موجودگی میں امتزاج ممکن نہ تھا) مٹ جاتے ہیں، ان کے حسیات ملّی (جن پر انکی قومیت کی اساس قائم تھی) فنا ہو جاتے ہیں، ان میں سے ہر قوم کو اپنے اپنے معیاراتِ فضل و شرف بدلنے پڑتے ہیں، اور اُن کی نئی قومیت اُن میں سے ہر ایک کے رذائلِ اخلاق کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے۔ اس نوعیت کا امتزاج قوموں کے نظام اخلاق کو درہم برہم کر دیتا ہے اور نیا نظام اخلاق بننے کے لیے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے۔ اپنی اپنی سابق روایات سے اُن کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے اور نئی روایات بننے میں بہت دیر لگتی ہے۔ اپنے اپنے نیشنل ٹائپ کو وہ خود مسمار کر دیتے ہیں اور نیا ٹائپ ڈھلنے کے لیے بڑا وقت لیتا ہے۔ اس خطرناک حالت میں جو لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں ان کی سیرت میں کوئی مضبوطی نہیں ہوتی۔ وہ دنی الاخلاق، کم ظرف، تنگ حوصلہ، چھچھورے، متلون، اور بے اصولے ہوتے ہیں۔ انکی حالت اس پتے کی سی ہوتی ہے جو درخت سے

ٹوٹ کر میدان میں جا پڑا ہو اور ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ اڑتا پھرتا ہو، کہیں اسکو قرار نہ ہو۔

برازیل (جنوبی امریکہ) میں مختلف الاخلاق قوموں کے اختلاط و امتزاج کا حال جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ بلا تمام اُن قوموں کے محاسن کو یکساں طور پر برباد کر رہی ہے جو اسکے زیر اثر آگئی ہیں، اور اسکی بدولت وہاں عقلی، اخلاقی اور جسمانی حیثیت سے نہایت گھٹیا درجہ کی نسل پیدا ہو رہی ہے۔

ہندوستان میں جو تہذیبی قومیتیں پائی جاتی ہیں انہیں کوئی ایسا شخص متشابہ الاخلاق نہیں کہہ سکتا جو اجتماعیات میں کچھ بھی بصیرت رکھتا ہو، اور جو سیاسی خواہشات سے قطع نظر کرکے محض حقائق نفس الامری کی بنا پر رائے قائم کرتا ہو۔ ان قوموں کے درمیان اُس سے زیادہ گہرے اختلافات پائے جاتے ہیں جتنے یورپ کی مختلف تہذیبی قومیتوں کے درمیان موجود ہیں۔ یہاں عقائد میں بعد المشرقین ہے۔ اصول تہذیب ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ نظام اخلاق میں بین تفاوت ہے۔ روایات کے سرچشمے قطعی طور پر الگ الگ ہیں۔ جذبات و حسیات باہم متناقض ہیں۔ اور ہر ایک کا نیشنل ٹائپ اپنے خط و خال میں دوسرے کے نیشنل ٹائپ سے کوئی مماثلت نہیں رکھتا۔ یہاں محض سیاسی و معاشی اغراض کی خاطر ان مختلف قومیتوں کو مٹا کر ایک ممزوج و مخلوط قومیت پیدا کرنے کی کوشش لامحالہ وہی نتیجہ پیدا کریگی جسکی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ بدقسمتی سے ڈیڑھ دو سو سال کے انگریزی اقتدار نے ان قوموں کو پہلے ہی اخلاقی انحطاط میں مبتلا کر دیا ہے۔ غلامی کا گھن ان کے جوہر شرافت کو پہلے ہی کھا چکا ہے۔ انکی سیرتیں کمزور ہو چکی ہیں۔ ان کے عقائد جڑوں سے ہل چکے ہیں۔ ان کا تعلق اپنی روایات سے بہت کچھ ٹوٹ گیا ہے۔ ان کے نیشنل ٹائپ مضمحل ہو گئے ہیں۔ ان کا معیار اخلاق پست ہو گیا ہے۔ ان کے اخلاقی خصائص میں استحکام باقی نہیں

رہا ہے۔ اور نئی نسلوں میں اس تنزل و انحطاط کے نہایت مکروہ نتائج دیکھے جارہے ہیں۔ اس حالت میں قوم سازی کا عمل جاری کرنے کے لیے جب انکی رہی سہی تہذیبی بنیادوں پر ضرب لگائی جائیگی تو یقین رکھیے کہ پورے ملک کا نظام اخلاق درہم برہم ہو جائیگا، اور اس کے نتائج نہایت ہولناک ہونگے۔

وہ محض طفلانہ خام خیالی ہے جسکی بنا پر ہمارے ملک کے سیاسی لیڈر بغیر سوچے سمجھے رائے قائم کر لیتے ہیں کہ اجنبی طاقت کے تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لیے یہاں نیشنلزم پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اور نیشنلزم پیدا کرنے کے لیے ایک قومیت بنانے کی حاجت ہے، لہذا تمام موجودہ قومیتوں کو مٹا دو، اور سب کی ایک قومیت بنا ڈالو۔ حالانکہ اگر ان لوگوں میں صحیح بصیرت موجود ہو اور یہ مغرب کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو کر خود سوچنے سمجھنے کی کوشش کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ راستہ ہندوستان کی نجات کا نہیں، اُسکی تباہی کا ہے۔

اولاً اس راستہ سے آزادی حاصل کرنا درحقیقت نہایت دیرطلب کام ہے۔ سینکڑوں ہزاروں برس کی روایات پر جو تہذیبی قومیتیں قائم ہیں ان کا مٹنا، انکی جگہ ایک نئی قومیت کا وجود میں آنا، اور پھر اس قومیت کا مستحکم اور مشتعل ہو کر نیشنلزم کی حد تک پہنچنا کھیل نہیں ہے۔ اس کے لیے بہرحال ایک طویل مدت درکار ہے، اور اگر آزادی کا حصول اسی پر موقوف ہے تو ہندوستان کو کم از کم ابھی دو تین نسلوں تک اس کا انتظار کرنا پڑیگا۔

ثانیاً اگر اس راستہ سے آزادی حاصل ہو بھی جائے تو جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، اس میں یہ خطرہ ہے کہ آخرکار تمام ملک اخلاقی انحطاط کے ھاویہ میں گر جائیگا۔

ثالثاً یہ ایک یقینی امر ہے کہ جن قوموں کو اپنی انفرادیت سے کچھ بھی لگاؤ باقی ہے وہ اس نوعیت کی قوم سازی کے خلاف پوری جدوجہد کرینگی، اور اس کشمکش میں آزادی وطن کے لیے کوئی

متحدہ کوشش نہ کی جا سکیگی۔ لہٰذا اجنبی تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لیے شاید یہ دور کا راستہ بھی نہیں ہے بلکہ قریب کا راستہ ہو۔ اگر اس راستہ کو اختیار کرنے پر یونہی اصرار کیا جاتا رہا تو کچھ بعید نہیں کہ سیاسی آزادی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر ہو ہی نہ سکے۔

ان وجوہ سے میرے نزدیک وہ لوگ سخت نادان ہیں جو محض مغربی قوموں کی تقلید میں یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ملکی آزادی کے لیے بس نیشنلزم ہی ایک کارگر آلہ ہے۔ میں پہلے بھی بارہا کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ ہندوستان کی آزادی اور سیاسی و معاشی ترقی کے لیے سرے سے قومی وحدت اور نیشنلزم کی حاجت ہی نہیں ہے۔ جہاں مختلف تہذیبی قومیتیں موجود ہوں وہاں قومی وحدت پیدا کرنے کی کوشش کرنا نہ صرف یہ کہ غیر ضروری ہے، نہ صرف یہ کہ اصولاً غلط ہے، بلکہ نتائج کے اعتبار سے بھی مفید ہونے کے بجائے الٹا نقصان دہ ہے۔ ایسی جگہ وحدت نہیں بلکہ صرف وفاق کے اصول (Federal principles) ہی چل سکتے ہیں۔ ہر قوم کی مستقل حیثیت تسلیم کی جائے، ہر ایک کو اپنے قومی معاملات میں آزاد و خود مختار قرار دیا جائے، اور صرف مشترک وطنی اغراض کی حد تک تمام قوموں کے درمیان اتفاق عمل (joint action) کا معاہدہ ہو جائے۔ بس یہی ایک صورت ہے جس سے ملک کی تمام جماعتوں میں اپنی انفرادیت کے بقاء و تحفظ کا اطمینان پیدا ہو سکتا ہے، اور یہی چیز ملک کی تمام قوتوں کو سیاسی ترقی کی جدوجہد میں ایک محاذ جنگ پر مجتمع کر سکتی ہے۔

فرنگی لباس استفسار کے پہلے حصہ نے اتنا زیادہ وقت لے لیا کہ اب دوسرے حصہ پر بحث کرنے کے لیے نہ زیادہ وقت باقی ہے نہ گنجائش۔ تاہم مختصر الفاظ میں یہاں چند اشارات کیے جاتے ہیں۔

یہ قوم پرست بھی کچھ عجیب قسم کی مخلوق ہیں۔ ایک طرف یہ بڑے زور شور کے ساتھ قوم پرستی

کا پرچار کرتے ہیں۔ دوسری طرف انہیں غیر قوم اور غیر ملک کا لباس و تمدن اختیار کرنے میں کوئی باک نہیں ہوتا۔ اور اس پر بھی بس نہیں۔ یہ اُس اجنبی لباس و تمدن کو اپنی قوم میں رواج دینے کی اِس طرح کوشش کرتے ہیں کہ گویا یہ بھی قوم پرستی کے پروگرام کا کوئی حصہ ہے، حتی کہ جہاں ان کا بس چلتا ہے وہاں یہ زبردستی اُس کو لوگوں کے سر منڈھنے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔ ہندوستان، ایران، مصر، ٹرکی، ہر جگہ ان حضرات کی یہی روش ہے۔ حالانکہ قوم پرستی ـــــ اگر اس لفظ کے مفہوم میں قومی حمیت و غیرت کا بھی کچھ حصہ ہو ـــ اس بات کی فطری طور پر متقاضی ہے کہ آدمی خود اپنی قوم کے لباس اور طرز تمدن پر قائم رہے، اسی میں عزت اور شرف محسوس کرے، اور اسی پر فخر کرنا سیکھے۔ جہاں سرے سے یہ چیز بالکل ہی مفقود ہے وہاں قوم پرستی خدا جانے کہاں سے آجاتی ہے۔ غیرتِ قومی کا فقدان اور قوم پرستی، دونوں صریح طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مگر ہمارے قوم پرست دوست اضداد کو جمع کرنے میں کمال رکھتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ خیالات اور اعمال میں تناقض سے محفوظ رہنے کے لیے ذہن سلیم اور نظر سدید درکار ہے، اور یہ چیز اگر حاصل ہو تو آدمی فطرت کی سیدھی صاف راہ چھوڑ کر قوم پرستی ہی کیوں اختیار کرے۔

اسلام اس معاملہ میں بھی ان حضرات کا ساتھ دینے سے انکار کرتا ہے۔ زندگی کے ہر معاملہ میں سیدھا، صاف، معقول اور فطری راستہ جو ہو سکتا ہے اُسی کا نام اسلام ہے، اور وہ جس طرح قومیت کے مبالغہ اور اسکی افراط (یعنی قوم پرستی) کا ساتھ نہیں دیتا اسی طرح کسی ایسی چیز کا بھی ساتھ نہیں دیتا جو قومیت کی جائز فطری حدبندیوں کو توڑنے والی، اور قوموں کی انفرادیت یا ان کے امتیازی خصائص کو مٹانے والی، اور انکے اندر رذائل اخلاق پیدا کرنے والی ہو۔

قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ انسان اگرچہ سب ایک ہی اصل سے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان دو قسم کے امتیاز رکھے ہیں۔ ایک عورت اور مرد کا امتیاز۔ دوسرا نسب اور قبیلہ اور قومیت

کا امتیاز - يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا[۱] (الحجرات - ۲)
وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى[۲] (النجم - ۳) - یہ دونوں قسم کے امتیازات انسانی تمدن اور اجتماعی زندگی کی بنیاد ہیں اور فطرت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو صحیح حدود کے ساتھ باقی رکھا جائے۔ عورت اور مرد کا امتیاز اس لیے ہے کہ ان کے درمیان نفسیاتی کشش ہو، لہٰذا ضروری ہوا کہ تمدن و معاشرت میں دونوں کے اوصاف امتیازی پوری طرح محفوظ رکھے جائیں - اور قوموں کا امتیاز اس لیے ہے کہ تمدنی اغراض کے لیے انسانوں کے ایسے اجتماعی دائرے اور حلقے بن سکیں جن کے درمیان آسانی کے ساتھ باہمی تعاون ہو سکے، لہٰذا ضروری ہوا کہ ہر گروہ یا ہر تمدنی و اجتماعی حلقے کے کچھ امتیازی اوصاف ہوں جن کے ذریعہ سے ایک حلقہ کے آدمی آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکیں، باہم مانوس ہوں، ایک دوسرے کو سمجھ سکیں، اور دوسرے حلقوں کے آدمیوں میں فرق کر سکیں - اس قسم کے امتیازی اوصاف ظاہر ہے کہ زبان، لباس، طرز زندگی، اور شانِ تمدن ہی ہو سکتے ہیں - پس یہ عین فطرت کا تقاضا ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے -

اسی بنا پر اسلام میں تشبہ کی ممانعت کی گئی ہے - حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس عورت پر جو مرد کا سا لباس پہنے اور اس مرد پر جو عورت کا سا لباس پہنے[۳] دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ملعون قرار دیا ان مردوں کو جو عورتوں کے مشابہ بنیں اور ان عورتوں کو جو مردوں کے مشابہ بنیں[۴] یہ اس لیے کہ عورت اور مرد کے درمیان جو نفسیاتی کشش اللہ نے رکھی ہے، یہ تشبہ اس کو دباتا اور گھٹاتا ہے، اور اسلام اس کو قائم رکھنا چاہتا ہے - اسی طرح قوموں کے لباس و تمدن اور شعائر کو بھی مٹانا اور انہیں خلط ملط کرنا اجتماعی مفاد و مصالح کے

---

[۱] لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو -

[۲] اور اللہ نے مرد اور عورت کی دو صنفیں پیدا کیں - [۳] المستدرک جلد ۴ - صفحہ ۱۹۴ - [۴] بخاری کتاب اللباس

خلاف ہے، لہٰذا اسلام اس کی بھی مخالفت کرتا ہے۔ قومی امتیاز کو جب فطری حدود سے بڑھا کر قوم پرستی بنایا جائیگا تو اسلام اس کے خلاف جہاد کریگا، کیونکہ اس مادّہ سے جاہلانہ حمیت، ظالمانہ تعصب، اور قیصریت کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن اسلام کی دشمنی قوم پرستی سے ہے نہ کہ قومیت سے۔ قوم پرستی کے برعکس قومیت کو وہ برقرار رکھنا چاہتا ہے اور اسے مٹانے کا بھی وہ ویسا ہی مخالف ہے جیسا کہ اس کو حد سے بڑھانے کا مخالف ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جو متوسط اور متوازن رویہ اسلام نے اختیار کیا ہے اس کو سمجھنے کے لیے حسب ذیل آثار کو بغور ملاحظہ فرمائیے:

(۱) ایک صحابی نے پوچھا کہ عصبیت کیا چیز ہے؟ کیا آدمی کا اپنی قوم سے محبت کرنا عصبیت ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں۔ عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم میں اپنی قوم کا ساتھ دے (ابن ماجہ)

(۲) فرمایا جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کریگا وہ اسی قوم میں شمار ہوگا (ابوداؤد)

(۳) حضرت عمرؓ نے آذربیجان کے گورنر عتبہ بن فرقد کو لکھا کہ خبردار، اہل شرک (یعنی باشندگان آذربیجان) کے لباس اختیار نہ کرنا۔ (مسلم۔ کتاب اللباس والزینہ)

(۴) حضرت عمرؓ نے اپنے تمام گورنروں کو عام احکام دیے تھے کہ غیر مسلم باشندوں کو اہل عرب کے سے لباس اور وضع و ہیئت اختیار کرنے سے روکیں۔ حتیٰ کہ بعض علاقوں کے باشندوں سے صلح کرتے وقت باقاعدہ معاہدہ میں ایک مستقل دفعہ اس مضمون کی شامل کردی گئی تھی کہ تم ہمارے جیسے لباس نہ پہننا (کتاب الخراج امام ابویوسف)

(۵) جو اہل عرب فوجی یا ملکی خدمات کے سلسلہ میں عراق و ایران وغیرہ ممالک میں مامور تھے انکو حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بار بار تاکید کرتے تھے کہ اپنی زبان اور لہجہ کی حفاظت کریں اور عجمی بولیاں نہ بولنے لگیں (بیہقی)

ان روایات سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام جس بین الاقوامیت کا علمبردار ہے اُس کا منشا یہ ہرگز نہیں ہے کہ قوموں کی امتیازی خصوصیات کو مٹا کر انہیں خلط ملط کر دیا جائے، بلکہ وہ قوموں کو انکی قومیت اور خصوصیات کے ساتھ برقرار رکھ کر انکے درمیان تہذیب، اخلاق اور عقائد و افکار کا ایک ایسا رشتہ پیدا کرنا چاہتا ہے، جس سے بین الاقوامی کشیدگیاں، رکاوٹیں، ظلم اور تعصبات دور ہو جائیں اور انکے درمیان تعاون و برادری کے تعلقات قائم ہوں۔

تشبہ کا ایک اور پہلو بھی ہے جسکی بنا پر اسلام اسکا سخت مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک قوم کے لوگ اپنی قومی خصوصیات کو صرف اسی وقت چھوڑتے ہیں جب انکے اندر کوئی نفسی کمزوری اور اخلاقی ڈھیل پیدا ہوجاتی ہے۔ جو شخص دوسروں کا اثر قبول کر کے اپنا رنگ چھوڑ دے اور انکے رنگ میں رنگ جائے، لامحالہ اسکے اندر تلون، بچھورپن، ہمرعت انفعال اور خفیف الحرکتی کا مرض ضرور ہوگا۔ اگر اسکی روک تھام نہ کی جائیگی تو یہ مرض ترقی کریگا۔ اگر بکثرت لوگوں میں یہ پھیل گیا تو ساری قوم نفسیاتی ضعف میں مبتلا ہو جائیگی۔ اسکے اخلاق میں کوئی پختگی باقی نہ رہیگی۔ اس کے ذہن کی چولیں اتنی ڈھیلی ہو جائینگی کہ ان پر اخلاق اور خصائل کی مستحکم بنیادیں قائم ہی نہ ہو سکینگی۔ لہٰذا اسلام کسی قوم کو بھی یہ اجازت دینے کے لیے تیار نہیں کہ وہ اپنے اندر اس نفسی بیماری کو پرورش کرے۔ مسلمانوں ہی کو نہیں، بلکہ جہاں اسکا بس چلتا ہے، وہ غیر مسلموں کو بھی اس سے بچانے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ وہ کسی انسان میں بھی اخلاقی کمزوری دیکھنا نہیں چاہتا۔

خصوصیت کے ساتھ مفتوح و مغلوب لوگوں میں یہ مرض زیادہ پھیلتا ہے۔ انکے اندر محض اخلاقی ضعف ہی نہیں ہوتا بلکہ درحقیقت وہ اپنی نگاہوں میں آپ ذلیل ہو جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو خود حقیر سمجھتے ہیں، اور اپنے حکمرانوں کی نقل اتار کر عزت اور فخر حاصل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ عزت، شرافت، بزرگی، تہذیب، شائستگی، غرض جس چیز کا بھی وہ تصور کرتے ہیں اُسکا مثالی نمونہ انہیں اپنے آقاؤں ہی کی صورت میں نظر آتا ہے۔ غلامی انکے جوہر آدمیت کو اس طرح کھا جاتی ہے کہ وہ علانیہ اپنی ذلت اور پستی کا مجسم اشتہار بننے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اس میں شرم محسوس کرنے کے بجائے فخر محسوس کرتے ہیں[1]۔ اسلام جو انسان کو پستیوں سے اٹھا کر بلندی کی طرف لے جانے آیا ہے،

[1] ہمارے اس بیان کی صداقت میں اگر کسی صاحب کو شک ہو تو وہ ہندوستان (۹۷) ہی میں انگریزوں اور ہندوستانیوں کے فرق کو دیکھ لیں۔ مٹھی بھر انگریز متفرق و پراگندہ، ڈھائی سو برس سے کروڑوں ہندوستانیوں کے درمیان رہتے ہیں مگر ایک انگریز بھی آپ کو ایسا نہ ملے گا جس نے

ایک لمحہ کے لیے بھی اسکو جائز نہیں رکھتا کہ کوئی انسانی گروہ احتقار نفس کے اس اسفل السافلین میں گرجائے جس سے نیچے پستی کا کوئی اور درجہ ہے ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عجمی قومیں اسلامی حکومت کے زیر نگیں آئیں تو آپ نے انکو سختی کیساتھ اہلِ عرب کی نقالی سے روکا۔ اسلامی جہاد کا مقصد ہی باطل ہو جاتا اگر ان قوموں میں غلامانہ خصائل پیدا ہونے دیے جاتے۔ رسول اللہ نے عربوں کو اسلام کا پرچم اس لیے نہیں دیا تھا کہ وہ قوموں کے آقا بنیں اور قومیں انکے ماتحت غلامی کی مشق بہم پہنچائیں۔

ان وجوہ سے اسلام اس بات کا مخالف ہے کہ کوئی قوم دوسری قوم کا ہو بہو چربہ بننے کی کوشش کرے اور اس کے لباس و طرزِ معاشرت کی نقالی کرنے لگے۔ رہا تہذیب و تمدن کا وہ لین دین جو ایک دوسرے سے میل جول رکھنے والی قوموں میں فطری طور پر واقع ہوتا ہے، تو اسلام اسکو نہ صرف جائز رکھتا ہے بلکہ فروغ دینا چاہتا ہے۔ وہ قوموں کے درمیان تعصبات کی ایسی دیواریں کھڑی کرنا نہیں چاہتا کہ اپنے تمدن میں ایک دوسرے کی کوئی چیز سرے سے لیں ہی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شامی جبہ پہنا ہے جو یہودیوں کے لباس کا جز تھا چنانچہ حدیث میں ہے فتوضأ وعليه جبة شامية۔ آپ نے تنگ آستینوں والا رومی جبہ بھی پہنا ہے جسے رومن کیتھولک عیسائی پہنتے تھے۔ نوشیروانی قبا بھی آپ کے استعمال میں رہی ہے جسے حدیث میں جبة طيالسة کسروانية کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے برنس پہنی ہے جو ایک قسم کی اونچی ٹوپی ہوتی تھی اور عیسائی درویشوں کے لباس کا جز تھی۔ اس قسم کی متفرق چیزوں کا استعمال تشبّہ سے بالکل مختلف چیز ہے۔ تشبّہ یہ ہے کہ آدمی کی پوری وضع قطع کسی دوسری قوم کے مانند ہو اور اس کو دیکھ کر یہ تمیز کرنا مشکل ہو جائے کہ وہ کس قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ بخلاف اس کے جسے ہم "لین دین" کے لفظ سے تعبیر کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کی کوئی اچھی یا مناسبِ حال چیز لے کر اُسے اپنی وضع قطع کا جز بنا لے اور اس جز کے شامل ہونے پر بھی اُسکی قومی وضع بحیثیت مجموعی قائم رہے۔

یہ مختصر اشارات دفع شبہات کے لیے کافی ہیں۔ اس مسئلہ کے بعض پہلوؤں پر میں نے ایک مستقل مضمون اب سے دس سال پہلے رسالہ "معارف" میں لکھا تھا۔ انشاء اللہ آیندہ اشاعت میں وہ یہاں نقل کر دیا جائیگا تاکہ تمام گوشے ناظرین کے سامنے آجائیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۔ پھرتے ہیں اور لباس ہی میں نہیں بلکہ (۸۰) اپنی بول چال، انداز و اطوار، حرکات و سکنات ہر چیز میں انگریز کا پورا چربہ اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر اس کی کیا توجیہ کی جائیگی؟